بسم اللہ الرحمن الرحیم

صفاتِ باری تعالیٰ

افادات

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

امیر: عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ

سرپرست: مرکز اھل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

رابطہ: مکتبہ اھل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

فون نمبرز: 048-3881487, 0321-6353540, 0335-7500510

ای میل: markazhanfi@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفاتِ باری تعالیٰ

افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○﴾

زمانے کی قسم بے شک وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو، عمل سنت کے مطابق ہو، صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ واشاعت بھی کرتا ہو اور اگر اس تبلیغ واشاعت پر مصائب وپریشانیاں آئیں تو ان پر صبر بھی کرتا ہو۔

صفات کی دو قسمیں ہیں:

[۱]: محکمات [۲]: متشابہات

صفات محکمات: وہ ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ۔

صفات متشابہات: یہ وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالی کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات محکمات کی اقسام:

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: 1: صفات ذاتیہ 2: صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ: جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالی موصوف نہ ہو سکے انہیں ام الصفات بھی کہتے ہیں اور یہ سات ہیں: حیات اس کی ضد موت، علم اس کی ضد جہل، قدرت اس کی ضد عجز، سمع اس کی ضد صم، بصر اس کی ضد عمی، کلام اس کی ضد بکم۔

حیات: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (سورۃ بقرہ:255)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی حیات ازلاً، ابداً وحیات کل شئ بہ مُؤبداً ہے۔

یعنی اللہ کی حیات ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی اور دنیا کی ہر چیز کی حیات اللہ تعالی کی وجہ سے ہے۔

سوال: منکرین حیات فی القبر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ کی صفت "حیی" میں شراکت لازم آتی ہے کہ نبی بھی زندہ اور اللہ بھی زندہ۔

جواب: شراکت لازم نہیں آتی، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور اللہ کی حیات میں دو فرق ہیں:

۱: نبی کی حیات ازلی نہیں ہے، ابدی ہے جب کہ اللہ تعالی کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے اور یہ ابدی حیات جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہو گی۔

۲: نبی کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جبکہ اللہ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات، پھر موت اور پھر حیات حاصل ہوئی ہے۔

علم: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔" (سورۃ آل عمران:29)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

قدرت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔" (سورۃ بقرہ:20)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

فائدہ: قدرت کا تعلق "ممکنات" کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات و محالات کے ساتھ نہیں، کیونکہ واجب و محال میں اپنے ماسویٰ کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، جیسے سورج ہر چیز کو گرم کرتا ہے مگر وہ سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون، جولائی میں دوپہر بارہ بجے بھی ٹھنڈا ہی رہتا ہے۔

فائدہ1: واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود عقلاً لازم اور عدم محال ہو، جیسے ذات وصفاتِ باری تعالیٰ

فائدہ2: محال وہ ہے جس کا وجود عقلاً ناممکن ہو پھر محال کی تین قسمیں ہیں

1: محال عقلی: عقل کی رو سے دو چیزیں جمع نہ ہو سکیں یعنی عقل ان کے جمع ہونے کو تسلیم نہیں کرتی۔ جیسے ایک چیز آگ بھی ہو اور پانی بھی ہو، ایک چیز روشنی بھی ہو اور اندھیرا بھی ہو۔

2: محال شرعی: جس کا وقوع شرعاً محال ہو یعنی شریعت اس کے وقوع کو تسلیم نہ کرے۔ مثلاً دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا، کافر کا جنت میں جانا

3: محال عادی: وہ چیز جس کا وقوع عام طور پر لوگوں کی عادت میں نہ ہوتا ہو جیسے ایک آدمی اتنا دوڑے کہ پانچ سو کلو میٹر فی گھنٹا اس کی رفتار ہو۔

ارادہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ۔" (سورۃ بروج:16)

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

سمع: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ۔" (سورۃ بقرہ:256,224)

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بصر: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ۔" (سورۃ ملک:19)

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

کلام: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یٰمُوۡسٰۤی اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَبِکَلَامِیۡ۔" (سورۃ اعراف:144)

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔

فائدہ1: اللہ تعالیٰ کی صفت وہ کلام ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے، جسے "کلامِ نفسی" کہتے ہیں اور کلام اصل میں "کلامِ نفسی" ہی ہوتا ہے، کلامِ لفظی اس کلامِ نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ الۡکَلَامَ لَفِی الۡفُؤَادِ وَاِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَی الۡفُؤَادِ دَلِیۡلَا

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کی اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔

فائدہ2: کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے، ہاں البتہ مخلوق کا اس کو قراۃ و کتابت کرنا حادث ہے۔

فائدہ3: کسی بھی صفت کا وجود الگ ہے اور اس کا ظہور الگ۔ صفت کلام کا وجود قدیم ہے جو ازل سے ہے ہاں صفت کلام کا ظہور بوقت ضرورت اللہ تعالیٰ فرمادیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا صفت کلام کا وجود ازل سے تھا اس کا ظہور اس وقت ہوا جب

حضرت موسی علیہ السلام کوہ طور پہ تشریف لے گئے۔

صفات فعلیہ: جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو سکے لیکن اس کا تعلق اللہ کے غیر کے ساتھ ہو جیسے احیاء، اماتت، اھداء، اضلال، اعزاز، اذلال وغیرہ۔

سوال: بعض صفات ایسی ہیں جو متشابہات بھی نہیں ہیں اور محکمات کی دونوں قسمیں ذاتیہ اور فعلیہ کے ساتھ بھی نہیں آتی مثلاً حکیم خبیر اب یہ متشابہات تو ہیں نہیں چونکہ ان کا معنی واضح ہے اور محکمات بھی نہیں کہ سکتے اس لئے کہ نہ یہ ذاتی ہیں کیونکہ وہ سات ہیں اور نہ ہی صفات فعلیہ ہیں کہ اللہ صفت حکیم کی ضد کے ساتھ موصوف ہو صفت خبیر کی ضد کے ساتھ موصوف ہو۔

جواب: یہ جو سات صفات ذاتیہ ہیں یہ ام الصفات ہیں باقی تمام صفات جو متشابہات نہیں اور محکمات فعلیہ بھی نہیں وہ ان سات صفات ذاتیہ کے تحت داخل ہو جائیں گی۔

فائدہ 1: صفات باری تعالی قدیم ہیں جیسے ذات باری تعالی قدیم ہے۔ مثلاً جب مخلوق نہیں تھی اللہ تب بھی خالق تھے' اللہ کا خالق ہونا وجودِ مخلوق پر موقوف نہیں البتہ مخلوق کا وجود اللہ تعالی کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ صفت خلق کا وجود اور ہے اور اس کا ظہور اور یعنی صفت خلق کا وجود مخلوق کے موجود ہونے سے پہلے تھا البتہ اس کا ظہور مخلوق کے وجود کے ساتھ ہوا ہے۔

فائدہ 2: صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے "عین" کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو "غیر" کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لئے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لئے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لئے نہیں کہ اللہ تعالی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

متشابہات کی اقسام:

1: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الم، حٰمٓ، ن۔

2: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (سورۃ حدید؛4)

فائدہ: "المعنی" سے "لغوی معنی" اور "المراد" سے "مراد شرعی" مراد ہے۔

فائدہ: لغوی واصطلاحی معنی کا مطلب:

لغوی معنی: لفظ کا اصلی معنی جو اہل زبان مراد لیتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: لفظ کا وہ معنی جو اہل زبان یا اہل علاقہ یا اہل فن متعین کر لیں۔ مثلاً "اَطْوَلُ يَدًا" کا لغوی معنی "لمبے ہاتھ والا ہونا" ہے، لیکن اہلِ زبان اس سے وصفِ سخاوت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

اَسْرَعُكُنَّ بِيْ لِحَاقاً اَطْوَلُكُنَّ يَدًا (صحیح مسلم: ج2 ص291 باب فضائل زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: میری وفات کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔ اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں ممتاز تھیں۔

تنبیہ:

یہ روایت تفصیلا امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (ت360ھ) نے نقل کی جو یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

" كان يوم من السنة تجمع فيه نساء النبي صلى الله عليه وسلم عنده يوما إلى الليل قالت وفي ذلك اليوم قال اسرعكن

لحوقا أطولكن يدا قالت فجعلنا نتذارع بيننا أينا أطول يدا قالت فكانت سودة أطولهن يدا فلما توفيت زينب علمنا أنها كانت أطولهن يدا فی الخير و الصدقة"

(المعجم الاوسط للطبرانی: رقم الحدیث 6276)

ترجمہ: سال میں ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات صبح سے شام تک حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ ایک مرتبہ ایسے موقع پہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میری وفات کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے ہاتھ ناپنا شروع کر دیئے تاکہ دیکھیں کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں! تو سب سے لمبے ہاتھ سیدہ سودہ کے تھے لیکن جب سیدہ زینب کی وفات ہوئی تو ہمیں بات سمجھ آئی کہ وہ سخاوت میں سب سے آگے تھیں۔

فائدہ: قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر صفتیں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں تین موقف ہیں۔

موقف نمبر 1: متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف "اَلتَّفْوِيْضُ مَعَ تَنْزِيْهِ اللهِ تَعَالٰى عَنْ مُّشَابَهَةِ الْمَخْلُوْقَاتِ" ہے یعنی یہ کلمات صفات تشابہات ہیں، ان کلمات تشابہات کا معنی ہمیں معلوم نہیں، ہم ان کے معانی و مفاہیم کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالی کے لئے ید، عین، ساق وغیرہ صفات ثابت ہیں مگر مخلوق وغیرہ کی مشابہت سے پاک ہیں۔

چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:

"فَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالْعَيْنِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ وَلَا يُقَالُ اِنَّ يَدَهٗ قُدْرَتُهٗ اَوْ نِعْمَتُهٗ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ الْقَدَرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ" (الفقہ الاکبر مع الشرح ص 36، 37)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو "وجہ، ید اور عین" کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ "ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے، کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے، (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

سوال: جب ہم ید کا معنی ہم قدرت یا نعمت کریں گے تو یہ ید صفت ہو گی تو پھر اس میں صفت کا اثبات ہو گا صفت کا ابطال کیسے ہو گا؟

جواب: ید عضو تو ہے نہیں کیونکہ اعضاء جسم کے ہوتے ہیں جب اللہ جسم سے پاک ہے تو اعضاء جسم سے بھی پاک ہے۔

اب یقینی بات ہے کہ ید صفت ہے اور ید صفت محکمہ بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صفت محکمہ تب ہو گی جب اس کا معنی بالکل واضح ہو گا اور جو واضح معنی ہے وہ ہاتھ ہے وہ تو عضو بن جاتا ہے۔ لہذا یہ صفت تشابہ ہو گی اب صفت تشابہ کی دو قسمیں ہیں یا تو غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو ید کا چونکہ لغوی معنی معلوم ہے اس لئے تشابہ کی پہلی قسم نہ ہوئی، یا معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو تو جب ید کا لغوی معنی معلوم ہے تو معلوم المعنی جب ہم اس کا معنی قدرت کریں گے تو مراد بھی معلوم ہو جائے گی تو پھر یہ تشابہ کیسی ہو گی؟ تشابہ کے لیے تو ضروری ہے کہ غیر معلوم المعنی غیر معلوم المراد ہو یا معلوم المعنی اور غیر معلوم المراد ہو تو جب ید کا معنی قدرت ہے تو مراد معلوم ہو گئی تو تشابہ کہاں رہا؟ تو یہ امام صاحب فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر ید کا معنی کا قدرت کریں گے تو صفت محکمہ بھی نہیں ہے تشابہ کی دونوں قسموں میں شامل نہیں ہے تو صفت ہی باطل ہو جائے گی۔

موقف نمبر 2: بعض حضرات کا موقف ہے کہ ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱): محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔ (عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص 177)

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں۔(عقیدہ مسلم از محمد یحیٰ گوندلوی؛ص179)

(۲) علامہ عثیمین آیت "فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الصحیح ان المراد بالوجه ھنا وجه الله الحقیقی ای الی ایّ جهة تتوجهون فثم وجه الله سبحانه وتعالیٰ"

(شرح عقیدۃ واسطیۃ: ص156)

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ یہاں "وجہ" سے مراد اللہ کا حقیقی چہرہ ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہو گا کہ جس جہت کی طرف تم توجہ کرو اسی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(۳) خلیل ہراس لکھتے ہیں:

"تَضَمَّنَتْ هَاتَانِ الْآيَتَانِ إِثْبَاتَ الْيَدَيْنِ صِفَةً حَقِيقِيَّةً لَهُ سُبْحَانَهُ عَلَى مَا يَلِيقُ بِهِ."

(شرح عقیدۃ واسطیۃ لخلیل ہراس: ص61)

ترجمہ: یہ دو آیتیں (یعنی "مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" اور "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ") اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کو صفت حقیقی کے طور پر ثابت کرتی ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

موقف نمبر 3: متاخرین اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجۂ ظن میں کرتے ہیں۔ مثلاً ید کا معنی قدرت، عین کا معنی حفاظت اور وجہ کا معنی ذات

سوال: صفات میں تاویل تو معتزلہ کا قول ہے جیسا کہ امام صاحب سے "الفقه الاکبر" میں منقول ہے:

"فَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالْعَيْنِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ وَلَا يُقَالُ إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدَرِ وَالِاعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلَا كَيْفٍ" (الفقہ الاکبر مع الشرح ص36، 37)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو "وجہ، ید اور عین" کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ "ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے، کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے، (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

جواب: معتزلہ درجۂ یقین میں جبکہ متاخرین درجۂ ظن میں تاویل کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1: متقدمین اور متاخرین کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے، جبکہ متاخرین اہل السنۃ معنیٔ مؤول کو درجۂ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: متاخرین نے یہ موقف عوام الناس کو اہل بدعت (مجسمہ، جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانتے ہیں) کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کیا، کیونکہ اہل بدعت (مجسمہ) ظاہر الفاظ سے عوام کو دھوکا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کو ثابت کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

"هٰذَا التَّاوِيلُ لِهٰذِهِ الْأَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ أَنْ يُرَادَ وَلَا يُجْزَمُ بِإِرَادَتِهِ"

(المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام ص48 الاصل الثامن)

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے، عوام کی فہم کو "عقیدۂ جسمیت" سے بچانے کے لئے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

سوال: اگر مجسمہ ید کا معنی ہاتھ لیتے ہیں جو کہ اصل کے خلاف اور غلط ہے ہم نے ان سے بچنے کے لیے ید کا معنی قدرت لے لیا ہے یہ بھی اصل کے

خلاف ہے تو یہ بھی غلط ہے تو دونوں خلاف اصل ہو گئے تو پھر تاویل کرنے کا فائدہ کیا ہو گا؟

جواب: ید کا معنی ہاتھ کرنا یہ بالکل خلاف اصل ہے خلاف اصل کا معنی کہ ید کا معنی ہاتھ کریں گے تو عضو ہو گا اور اللہ کے لیے عضو کہیں کسی درجہ ثابت ہی نہیں ہے اور اگر ہم ید کا معنی قدرت کرتے ہیں تو گو یہاں ید کا معنی قدرت کرنا خلاف اصل ہے لیکن یہ معنیٰ ایک اور اصل کے مطابق ہے وہ یہ کہ اللہ کے لیے قدرت تو ثابت ہے اور ہم نے ید کا معنی وہی قدرت کر دیا لیکن کیا درجہ گمان میں ہے نہ کہ درجہ یقین میں۔

فائدہ نمبر 3: بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متاخرین سے ہی نہیں بلکہ بعض متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی ثابت ہے۔ جیسے :"یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ" کا معنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (م 68ھ) "عَنۡ شِدَّۃٍ" فرماتے تھے۔

(فتح الباری: ج 13 ص 524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ)

فائدہ نمبر 4: سلف سے مراد 300 ہجری کے آخر تک کے محققین ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"فَالْحَدُّ الْفَاصِلُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَأَخِّرِ هُوَ رَأْسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِائَةٍ"

(میزان الاعتدال للامام الذہبی: ج 1 ص 48، مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: متقدمین و متاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

1: اَللّٰهُ الصَّمَدُ (سورۃ اخلاص: 2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کہتے ہیں: "[اَلَّذِیْ] لَا یَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَ یَحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ اَحَدٍ"

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج 2 ص 842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالی موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالی جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

2: اللہ تعالی چونکہ جسم سے پاک ہے لہذا اعضاء سے بھی پاک ہیں اس لئے کہ اعضاء ہمیشہ جسم کے ہوتے ہیں تو جب جسم ہی نہیں ہے تو اعضاء بھی نہیں ہیں۔

فائدہ 1: اللہ تعالی جسم سے پاک ہے کیونکہ جسم ہمیشہ دو یا دو سے زائد چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور مرکب وہ ہوتا ہے کہ پہلے دو مفرد ہوں پھر ملیں تو مرکب بن جائے تو مرکب پہلے نہیں ہوتا بعد میں بنتا ہے جو پہلے نہ ہو اور بعد میں بنے اسے حادث کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالی تو قدیم ہے حادث نہیں ہے۔

فائدہ 2: اللہ تعالی جسم سے پاک ہے اس لئے کہ جسم جتنا بھی بڑا ہو وہ ایک جگہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اس کی حد ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالی غیر محدود ہے لہذا جسم سے پاک ہے۔

فائدہ 3: اللہ تعالی جسم سے پاک ہیں اس لیے کہ جسم کو خاص مکان چاہیے جبکہ اللہ تعالی خاص مکان سے پاک ہیں اس لئے اللہ تعالی جسم سے پاک ہے۔

فائدہ 4: اللہ تعالی جسم سے پاک ہے اس لئے کہ جسم کی ایک خاص جہت ہوتی ہے جب اللہ تعالی جہات سے پاک ہے تو جسم سے بھی پاک ہے۔

3: متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

۱: غیر معلوم المعنی و غیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ، ن وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی و غیر معلوم المراد جیسے "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔" (سورۃ حدید:4)

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیۃ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیۃ لازم آئے گی، جبکہ تشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزم باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

4: معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ "ید" جو کہ اسم جنس ہے کا معنی "جارحہ" ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر "ید اللہ" سے بھی یہی معنی مراد ہو تو "ید" جو کہ صفت باری ہے، کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ "ید اللہ" جو کہ صفت باری ہے، قدیم ہے۔

5: ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہے۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

6: اگر ان کلمات "ید، عین، وجہ، ساق" وغیرہ کے لئے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالی کے لئے جسم لازم آئے گا، کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

چنانچہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

"فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَهٗ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَةٍ وَلَا هَیْئَةٍ فَاِنَّ الصُّوْرَةَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّةَ وَهِیَ عَنِ اللّٰهِ وَعَنْ صِفَاتِهٖ مَنْفِیَّةٌ۔" (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالی کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

اشکال: امام مالکؒ سے جب استواء کے متعلق پوچھا گیا

لَمَّا سُئِلَ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی {ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ} کَیْفَ اسْتَوٰی؟

تو انہوں نے فرمایا:

اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْهُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ۔

(شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العز ج1 ص188، الرد علی الجہمیۃ لابن مندہ: ص104)

ترجمہ: استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

امام مالکؒ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے لہذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: یہ مقولہ امام مالکؒ سے ثابت ہی نہیں۔

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات ج2 ص151)

امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات ج2 ص150 اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ج13 ص498 باب وکان عرشہ علی الماء میں بسند جید امام مالکؒ کا صحیح قول نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن وھبؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالکؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور امام مالکؒ سے کہنے لگا: یَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ! اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی، کَیْفَ اسْتِوَاءُهٗ؟

اے ابو عبد اللہ! رحمن عرش پر مستوی ہے، اس کا استواء کیسے ہے؟

ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے سر جھکالیا اور آپ کو پسینہ آگیا۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ لَا يُقَالُ كَيْفَ؛ وَ كَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوْعٌ

رحمن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے' یہ نہ کہا جائے کہ کیسے ؟(یعنی کیفیت کی نفی کی جائے)اور اللہ سے کیفیت مرفوع ہے(یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا)

اسی طرح امام ابو بکر بیہقیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے کہ امام اوزاعیؒ امام مالکؒ امام سفیان ثوریؒ اور امام لیث بن سعدؒ سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے فرمایا:

اَمِرُّوْهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ

ترجمہ: یہ احادیث جیسے آئی ہیں ویسے ہی کیفیت کے بغیر بیان کرو۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیھقی ج2ص198، فتح الباری لابن حجر ج13ص498 باب و کان عرشہ علی الماء)

تو امام مالک رحمہ اللہ سے مروی درج بالا روایات میں "کیف" کی باقاعدہ نفی ہے۔

واقعہ:

ایک شخص نے میرے سامنے یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول پیش کر کے سوال کیا تو میں نے پوچھا کیا تم بدعتی ہو؟ کہا نہیں۔ تو میں نے کہا امام مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ استوا کے بارے سوال کرنا بدعت ہے یا خود کو بدعتی کہو یا سوال ہی نہ کرو!

اشکال: جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب: علامہ ابن جوزیؒ نے "دفع شبه التشبيه" میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر اپنے الٰہ کو سمجھتے نہیں تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے عرض کیا تھا: اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (سورہ اعراف 138) کہ ہمارے لئے بھی معبود بنایئے جس طرح ان کے معبود ہیں' اور مشرکین کے سوال "اللہ تعالیٰ کیا ہے؟" کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ کہہ دیجئے! اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔

اگر اس وقت ان کلمات کو ذکر کئے بغیر کہا جاتا: "اَللّٰهُ لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرْضٍ وَلَا طَوِيْلٍ وَلَا عَرِيْضٍ وَلَا يَشْغُلُ الْاَمْكِنَةُ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتَّةِ" (اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے) تو عام آدمی سمجھ نہ سکتا۔

(دفع شبہ التشبیہ للامام ابن الجوزی: ص107)

مسئلہ استواء علی العرش

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک "استواء علی العرش" اللہ تعالیٰ کی صفت متشابہہ ہے جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور قرآن مجید میں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

فَاَمَّا الْاِسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا كَانُوْا لَا يُفَسِّرُوْنَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ.

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2ص150)

ترجمہ: "رہا استواء کا مسئلہ تو ہمارے متقدمین حضرات نہ اس کی تفسیر کرتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی کلام فرماتے تھے۔"

جبکہ بعض حضرات کے ہاں استواء علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً فوق العرش ہونا مراد ہے۔

چنانچہ پروفیسر طالب الرحمٰن شاہ صاحب لکھتے ہیں:

سوال: اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ عرش پر ہے

سوال: کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔

(آیئے عقیدہ سیکھئے از طالب الرحمن شاہ ص50)

محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے مگر معتزلہ اور ان کے ہم نوا احناف وغیرہ اللہ تعالیٰ کا مستوی علی العرش ہونا حقیقی معنوں میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ دیگر صفات کی طرح استواء کی بھی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استواء کا معنی؛ استیلاء یعنی غلبہ ہے۔ ائمہ محدثین نے ان کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا بلکہ صحیح نصوص کے خلاف سمجھ کر اس کو رد کیا ہے اور بوجوہ اس تاویل کو باطل اور لغو قرار دیا ہے۔"

(عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص220)

فائدہ: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے "اَیْنَ اللّٰہُ؟" (اللہ کہاں ہے؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے: "هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّجِهَةٍ" کہ اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔ یہ اہل السنت والجماعت کا موقف و نظریہ ہے جس پر دلائلِ نقلیہ و عقلیہ موجود ہیں۔

فائدہ 1:

"هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّجِهَةٍ" یہ تعبیر اہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلباء و علماء کو سمجھانے کے لیے "اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے" کہہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر "اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے" یا "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ 2:

حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے شیخوپورہ میں ختم نبوت کا جلسہ تھا تو ایک شخص نے مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ سے دوران تقریر پوچھا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر اور ناظر ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا اگر یہاں شیخوپورہ میں ایک پلاٹ ہو آپ اس میں آپ علیہ السلام کا گھر بنالو حضرت امی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا حجرہ بنالو اس نے کہا وہ یہاں کیسے بنا سکتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا پھر یہاں مسجد بنالو مسجد بنا سکتے ہو؟ اس نے کہا جی بنا سکتے ہیں، فرمایا بس یہی فرق ہے اللہ تعالی چونکہ ہر جگہ ہے تو ان کا گھر بھی ہر جگہ بن سکتا ہے اور چونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر نہیں تو آپ کا گھر بھی ہر جگہ نہیں بن سکتا۔

تو عوامی ذہن کے مطابق تعبیر اختیار کرنا صرف ہماری رائے ہی نہیں بلکہ اکابر کی ہے۔ صرف اکابر کی نہیں بلکہ یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے مثلاً قرآن جنت کے بارے کہتا ہے: ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾

(آل عمران: 133)

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"جنت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی وسعت اس قدر ہے جتنا سارا آسمان وزمین ہے۔ انسان کے دماغ میں آسمان وزمین کی

اس کے عرض میں سارے زمین و آسمان سما سکتے ہیں۔"

(معارف القرآن ج2ص183،182)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "قبلہ کیا ہے؟" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ."

(۹۹ سنن ابن ماجہ: باب القبلۃ، عن ابی ہریرہ)

فائدہ3:

جب ہم کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب جگہ نہیں تھی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھے اور جب جگہ ہے اللہ تعالیٰ اب بھی موجود ہیں اور جب جگہ نہیں ہو گی تو اللہ تعالیٰ تب بھی موجود ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ پر نہیں ہے۔ اس وضاحت کو سامنے رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مکان میں ہونے پر اعتراضات کبھی نہیں ہوں گے اس لیے کہ اعتراضات تب ہوں گے جب اللہ تعالیٰ کو کسی خاص مکان میں مانیں ہم تو اللہ تعالیٰ کو بغیر خاص مکان کے مانتے ہیں کہ جب مکانات نہیں تھے تب بھی تھے جب مکانات ہیں اب بھی ہیں اور جب مکانات نہیں ہوں گے اللہ تعالیٰ تب بھی ہوں گے۔

اھل السنۃ والجماعۃ کے دلائل

آیاتِ قرآنیہ:

1: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ:115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

2: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (سورۃ البقرۃ:186)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

سوال: یہاں قرب سے مراد قرب علمی ہے نہ کہ قرب ذاتی۔

جواب 1: سوال ذات کے بارے میں ہے نہ کہ علم اور قدرت کے بارے میں۔ اگر قرب ذاتی مراد لیں تو جواب سوال کے مطابق ہو گا اور اگر علم مراد لیں تو جواب سوال کے مطابق نہ ہو گا۔

جواب 2: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں تلازم ہے جہاں ذات ہے وہاں صفت، جہاں صفت ہے وہاں ذات جب قرب علمی ہو گا تو قرب ذاتی ضرور ہو گا

جواب 3: غیر مقلدین کے ہاں صفات کو بغیر تاویل کے ماننا چاہئے ان میں تاویل کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ پروفیسر طالب الرحمٰن شاہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی صفات کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے کسی تاویل، کیفیت، تعطیل اور تمثیل کے بغیر ایمان لانا چاہئے۔"

(آیئے عقیدہ سیکھئے: ص33)

فائدہ: عرش بعید ہے کیونکہ ہمارے اوپر سات آسمان ہیں، ان پر کرسی ہے، کرسی پر سمندر ہے، سمندر کے اوپر عرش ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

بين السماء الدنيا والتي تليها خمسمائة عام وبين كل سماء خمسمائة عام وفي رواية وغلظ كل سماء مسيرة خمسمائة عام وبين السابعة وبين الكرسي خمسمائة عام وبين الكرسي وبين الماء خمسمائة عام والعرش فوق الماء والله فوق العرش ولا

یخفی علیه شیء من أعمالکم.

(عمدۃ القاری للعینی: ج16 ص622 کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء، فتح الباری لابن حجر: ج13 ص506 باب وکان عرشہ علی الماء)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔

(سورۃ الطلاق آیت 12)

۲: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

(سورۃ البقرہ آیت 255)

۳: وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔

(سورۃ ھود آیت 7)

3: يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ۔ (النساء:108)

ترجمہ: وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جب کہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں۔

4: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ﴾

(سورۃ الانعام: آیت 3)

ترجمہ: وہ اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمینوں میں بھی تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں کا جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے

5: اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (ہود:61)

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔

"قریب" سے مراد ذات ہے کیونکہ علمی قرب تو مجیب سے واضح ہے۔

6: وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْ اِلَيَّ رَبِّيْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ (سبا:50)

ترجمہ: اور اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا بہت قریب ہے۔

7: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (سورہ واقعہ:85)

ترجمہ: تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

8: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب توجیہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی عجیب توجیہ فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔"

(خطباتِ حکیم الامت: ج17 ص431 عنوان: اقربیت کا مفہوم)

9: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورہ حدید:4)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

10: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوا.

(سورۃ المجادلۃ:7)

ترجمہ: کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

اعتراض: جب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں معیت کا ذکر ہے تو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس سے "معیت علمیہ" مراد ہے مثلاً وَهُوَ مَعَكُمْ ای عِلْمُهُ مَعَكُمْ، اور اس پر دلیل یہ ایسی آیات پیش کرتے ہیں: "اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ الآیۃ (الحج:70)"

جواب: اولاً..... معیت علمیہ لازم ہے معیت ذاتیہ کو، جہاں ذات وہاں علم، رہا غیر مقلدین کا "اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ" وغیرہ کی بناء پر یہ کہنا کہ اس سے علم مراد ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں ذات کی نفی کہاں ہے؟ بلکہ اثباتِ علم سے تو معیتِ ذاتیہ ثابت ہو گی بوجہ تلازم کے۔

ثانیاً..... غیر مقلدین سے ہم پوچھتے ہیں کہ جب "اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" یا "يَدُ اللّٰهِ" جیسی آیات کو تم ظاہر پر رکھتے ہو، تاویل نہیں کرتے تو یہاں "وَهُوَ مَعَكُمْ" [جس میں "ھو" ضمیر برائے ذات ہے] جیسی آیات میں تاویل کیوں کرتے ہو؟

11: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ (سورہ ملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ تعالی) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا۔

احادیث مبارکہ:

1: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلٰى سَفَرٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَنَا، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ الحدیث. (صحیح مسلم ج1 ص434 باب استحباب الذکر اذا رکب دابۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور (سواری) کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یا اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی، پرہیز گاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی لمبان کو ہم پر تھوڑا کر دے۔ یا اللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے گھر میں۔

2: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: يَا ابْنَ اٰدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ، قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَهٗ؟

(صحیح مسلم ج2 ص318 باب فضل عیادۃ المریض، صحیح ابن حبان ص189، رقم الحدیث 269)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

3: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ. (جامع الترمذی: ج2 ص14 باب ماجاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ: ”تم زمین والوں پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔“

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے، غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ صرف عرش پر ہے، اس سے باطل ہو گیا۔

4: عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنِ اشْتَکٰی مِنْکُمْ شَیْئًا اَوِ اشْتَکَاہُ اَخٌ لَّہٗ فَلْیَقُلْ :رَبُّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ، تَقَدَّسَ اسْمُکَ، اَمْرُکَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ، اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا، اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ، اَنْزِلْ رَحْمَۃً مِّنْ رَحْمَتِکَ وَ شِفَاءً مِنْ شِفَائِکَ عَلٰی ھٰذَا الْوَجِعِ فَیَبْرَاُ۔ (سنن ابی داؤد ج2ص187باب کیف الرقی)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا بھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے اللہ! تیرا نام پاک ہے اور تیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے، جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔ تو پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتا رہے۔

5: عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَمَا نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَأَصْحَابُہُ ..... ثُمَّ قَالَ وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہِ لَوْ اَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَهَبَطَ عَلَی اللّٰہِ. (جامع الترمذی ج2 ص165 تفسیر سورۃ حدید)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔۔۔ آپ علیہ السلام نے قسم اٹھا کے فرمایا اگر تم ایک رسی زمین کے نیچے ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جائے گی۔

فائدہ: رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا دلیل ہے کہ ذات باری تعالیٰ صرف عرش پر نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

6: عَنْ أَبِی مُوسَی قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْهَرُونَ بِالتَّکْبِیرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَیُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ، اِنَّکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَهٗ سَمِیْعاً قَرِیْباً وَهُوَ مَعَکُمْ۔“ {الحدیث}

(صحیح مسلم؛ ج2 ص346 باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے و غائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔“

فائدہ:

اگر قرب سے مراد ”قرب علمی“ ہوتا تو ”قریباً“ کہنے پر اکتفاء ہو جاتا لیکن ”وَهُوَ مَعَکُمْ“ فرما کر ”قربِ ذاتی“ کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ اسی طرح اگر مراد صرف ”قربِ وصفی“ ہوتا تو ”اَصَمَّ“ کے بعد ”وَلَا غَائِبًا“ نہ فرماتے۔

7: عن عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُعَاوِیَةَ الْغَاضِرِیِّ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ -صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الإِیمَانِ مَنْ عَبَدَ اللّٰہَ وَحْدَہُ فَإِنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰہُ، وَأَعْطَی زَکَاةَ مَالِہِ طَیِّبَةً بِهَا نَفْسُہُ رَافِدَةً عَلَیْہِ فِی کُلِّ عَامٍ ..... وَزَکَّی عَبْدٌ نَفْسَہُ فَقَالَ رَجُلٌ مَا تَزْکِیَةُ الْمَرْءِ نَفْسَہُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَنْ یَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُمَا کَانَ.

(السنن الکبری للبیہقی ج4 ص95، 96 باب لایاخذ الساعی، شعب الایمان للبیہقی ج3 ص187 باب فی الزکوۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن معاویہؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تین کام کئے وہ ایمان کا ذائقہ اور حلاوت محسوس کرے گا۔

1: صرف اللہ ہی کی عبادت کی کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں 2: خوش دلی سے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی تو اللہ کی طرف سے پورا سال اس کو عطا کیا جائے گا 3: اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ اس پہ ایک شخص نے سوال کیا یارسول اللہ آدمی کے اپنے نفس کا "تزکیہ" کرنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان یہ یقین بنالے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

8: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج6 ص287 رقم الحدیث 8796)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو یہ یقین بنالے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

عقلی دلائل:

1: اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟

2: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا' اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا' جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ خالق ہیں جو کہ غیر محدود ہیں، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

4: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

5: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے، اس عقیدہ سے "اللہ اکبر" والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

6: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی جبکہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ سے پاک ہیں کیونکہ جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

7: حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

8: اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لئے مکان ہو گا اور مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں' قرآن کریم میں ہے: "وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا۔" کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

مسلک اہل السنت والجماعت پر اعتراضات کے جوابات:

تمہید

ایک چیز کا اگر جسم ہو تو حکم اور ہوتا ہے جسم نہ ہو تو حکم اور جیسے

1: ایک الماری میں 10 کتابیں رکھنے کی گنجائش ہو اس میں اگر قرآن پاک رکھنا چاہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک کتاب نکالی جائے پھر قرآن رکھا جائے جبکہ اسی قرآن کو دماغ یا دل میں محفوظ کرنے کے لئے دل و دماغ سے کسی چیز کے نکالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ دماغ میں محفوظ ہونے والا قرآن بلا جسم ہے جبکہ الماری میں رکھا جانے والا مصحف جسم والا ہے۔

2: اگر کوئی شخص بیت الخلاء میں قرآن، مصحف لیکر جائے تو بے ادبی ہے جبکہ حافظ قرآن کے سینہ میں قرآن موجود ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ بیت الخلاء جاتا ہے یہ بے ادبی نہیں کیونکہ پہلی صورت میں مصحف جسم والا اور دوسری صورت میں بلا جسم ہے۔

3: اگر قرآن کریم نیچے رکھا ہو اور کوئی بندہ کرسی پہ بیٹھ جائے تو بے ادبی شمار ہوتی ہے لیکن اگر حافظ قرآن نیچے بیٹھا ہو اور کوئی کرسی پہ بیٹھ جائے تو بے ادبی نہیں۔

4: اگر بیڈ پہ قرآن رکھ کے خود اس پہ لیٹ جائے تو ناجائز ہے لیکن اگر حافظہ بیوی کے اوپر لیٹ جائے تو جائز ہے۔

5: اگر گھر میں آنے والے دلہن کے ہاتھ سے قرآن لیکر چوم لے تو معیوب نہیں لیکن آنے والی حافظہ بیوی کے سینے کو سب کے سامنے چومے تو معیوب ہے۔

6: اگر جنبی یا حائضہ کو قرآن بلا حائل پکڑایا جائے تو جرم لیکن اسی جنبی کے سینے میں قرآن محفوظ ہو تو جرم نہیں کیونکہ پہلا جسم والا دوسرا بلا جسم ہے

7: اگر سینے میں قرآن موجود ہو تو حلول و اتحاد کا سوال نہیں ہوتا اسی طرح اللہ پہلے تھے مکان بعد میں بنے یہاں بھی حلول و اتحاد کا سوال فضول ہے اس لئے کہ مکان جسم والے اور اللہ بلا جسم ہے

اس تمہید کے بعد سمجھیں اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے پہ جتنے اشکال کئے جاتے ہیں ان کی بنیاد یہی ہے کہ لوگ بالجسم سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں جبکہ اللہ موجود بلا جسم ہے

اعتراض نمبر 1:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانا جائے تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ اگر کہیں کہ "نہیں" تو ہر جگہ ہونے کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر کہیں "ہے" تو اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جواب نمبر 1: بعض چیزوں کو اجمالاً بیان کریں تو مناسب اور ادب ہے، اگر تفصیلات بیان کریں تو خلافِ ادب ہے۔ مثلاً:

مثال نمبر 1: سسر اپنے داماد کو کہے: "میری بیٹی کے حقوق کا خیال رکھنا"، تو اجمالاً قول ہونے کی وجہ سے یہ ادب ہے لیکن اگر وہ تمام حقوق ایک ایک کرکے گنوانا شروع کر دے تو یہ خلاف ادب ہے۔

مثال نمبر 2: "سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کا خالق اللہ ہے" یہ کہنا ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک عضو کا نام لے کر یہی بات کہی جائے تو یہ خلافِ ادب ہے۔

اسی طرح "اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے" یہ اجمالاً کہنا تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے درست اور ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک جگہ کا جس میں ناپسندیدہ جگہیں بھی شامل ہوں، نام لے کر کہا جائے تو یہ بے ادبی ہونے کی وجہ سے غلط ہو گا۔ لہذا ایسا سوال کرنا ہی غلط، نامناسب اور ناجائز ہے۔

جواب نمبر 2: یہ اعتراض تب پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو وجود بمعنی "جسم" کے ساتھ مانیں جیسے قرآن کریم کو بیت الخلاء میں لے کر جانا

قرآن کی توہین اور بے ادبی ہے حالانکہ ہر حافظ جب بیت الخلاء جاتا ہے تو قرآن اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے لیکن بے ادبی نہیں، کیونکہ قرآن جسم سے پاک ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ موجود بلا جسم ہیں۔

جواب نمبر 3: رمضان مبارک کا مہینہ ہر جگہ مبارک ہے۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ بیت الخلاء میں رمضان ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر جگہ رمضان نہیں، اگر ہے تو بیت الخلاء میں بابرکت کیسے؟ تو اس کا یہ سوال لغو ہو گا کیونکہ جب رمضان کا جسم نہیں ہے تو ہر جگہ ماننے میں کوئی بے ادبی نہ ہو گی اور یہ ہر جگہ بابرکت ہو گا۔ اسی طرح جب اللہ کا جسم نہیں تو ہر جگہ ماننے میں بے ادبی نہیں۔

اعتراض نمبر 2:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانیں تو اس سے حلول اور اتحاد لازم آئے گا۔

جواب: حلول اور اتحاد تب لازم آئے گا جب اللہ تعالی کے لئے جسم مانا جائے' جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

فائدہ: دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ہر ایک کا وجود باقی رہے "اتحاد" کہلاتا ہے جیسے آملیٹ اور دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ایک چیز کا وجود ختم ہو جائے "حلول" کہلاتا ہے جیسے چینی ملا دودھ۔

اعتراض نمبر 3:

جب آپ اللہ تعالی کو ہر جگہ پہ مانتے ہیں تو جو اعتراض اللہ کو عرش پہ ماننے سے پیدا ہوتے ہیں وہ یہاں پہ بھی ہوں گے۔

جواب: ہر جگہ موجود یہ تعمیم اکنہ تعبیر لامکان کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک بھی ہیں اور ہر مکان کو محیط بھی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وکان اللہ بکل شئی محیطا ۔ ہر جگہ پہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب مکان نہیں تھا اللہ تب بھی تھے مکان ہے اللہ تعالی اب بھی ہیں اور جب مکان نہیں ہو گا اللہ تعالی تب بھی ہوں گے

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات:

قرآنی آیات:

1: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ (سورہ حدید 4، سورہ رعد: 2، طہ: 5، سجدہ: 4)

جواب نمبر 1: اس کا معنی "عرش پر اللہ کا غالب ہونا" ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا معنی: "اَیْ عَلَا عَلَی الْعَرْشِ" (صحیح بخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء) نقل کیا ہے اور عربی زبان میں "استوی" بمعنی "غالب ہونا" استعمال ہوتا رہتا ہے۔ ایک شاعر نے بشر بن مروان کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ
مِنْ غَیْرِ سَیْفٍ وَّ دَمٍ مُّهْرَاقِ

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص153)

ترجمہ: بشر بن مروان نے بغیر جنگ اور خونریزی کے عراق پر غلبہ پالیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَلَمَّا عَلَوْنَا وَ اسْتَوَیْنَا عَلَیْهِمْ
جَعَلْنَاهُمُ مَرْعٰی لِنَسْرٍ وَّ طَائِرِ

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص154)

ترجمہ: جب ہم ان پر چڑھ دوڑے اور ان پر غلبہ پالیا تو انھیں (ٹکڑے ٹکڑے کر کے) گدھوں اور پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔

اشکال: اگر کوئی کہے کہ عرش کی کیا تخصیص ہے، جب کہ اللہ تو آسمان، زمین اور دیگر مخلوقات پر بھی غالب ہے، تو عرش کو خاص کیوں کیا گیا؟

جواب: عرش کائنات کا مکانِ آخر ہے تو مکانِ آخر تک غلبہ بتانے کے لیے عرش کا ذکر کیا۔ جیسے ایک آدمی کے پاس سائیکل، موٹر سائیکل اور کار ہو تو وہ اپنی ملکیت اور مالی رتبہ بتانے کے لیے یہ کہے: "میرے پاس کار ہے" تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس سائیکل اور موٹر سائیکل رکھنے کی اہلیت نہیں۔

جواب نمبر 2: اگر استویٰ علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً عرش پر ہونا مراد لیں تو قرآن کریم کی بہت ساری ان آیات کا ان آیات سے تعارض لازم آتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے کی بجائے فی السماء یا ہر جگہ ہونے کا ذکر موجود ہے جیسے:

"وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (سورہ البقرۃ:115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

"ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ" (سورۃ الملک:16) [کیا تم کو اس (اللہ تعالیٰ) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا]

وغیرہ کا اس آیت سے تعارض لازم آتا ہے، جبکہ قرآن کریم میں قطعاً تعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" (سورۃ النساء:82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

جواب نمبر 3: بہتر یہ ہے کہ جواب یوں دیا جائے کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور اس کا معنی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس پر کسی قسم کا اشکال نہ ہو گا اور آیات کا تعارض بھی لازم نہیں آئے گا۔

2: وہ تمام آیات جن سے اللہ تعالیٰ کا جہتِ علو یعنی جانبِ بلندی کی طرف ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً

1: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (سورہ فاطر:10)

ترجمہ: اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے۔

جواب: یہ کنایہ حسنِ قبول سے ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر البیہقیؒ فرماتے ہیں:

صُعُوْدُ الْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَالصَّدَقَةِ الطَّيِّبَةِ اِلَى السَّمَاءِ عِبَارَةٌ عَنْ حُسْنِ الْقَبُوْلِ لَهُمَا.

(کتاب الاسماء والصفات ج2 ص168)

کلمات طیبہ اور صدقہ طیبہ کا آسمان کی طرف چڑھنا اس سے مراد ان کلمات اور اعمال کا قبول ہونا ہے۔

جیسے ہمارے ہاں کہا جاتا ہے فلاں بندے کے ایوان صدر تک پہنچ ہے اس کا مطلب ہوتا ہے اس کی بات وہاں سنی جاتی ہے، مانی جاتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ خود وہاں پہنچ جاتا ہے

2: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (سورۃ الانعام:18)

ترجمہ: وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

اشکال: کہ اللہ غالب تب ہو گا جب سب سے اوپر ہو۔

جواب: فوقیت سے مراد فوقیتِ حسی نہیں بلکہ فوقیتِ مرتبہ اور فوقیتِ قدرت ہے۔دلیل اس پر "وَهُوَ الْقَاهِرُ" ہے جیسے غلام دوسری منزل پر اور آقا پہلی منزل پر ہو تو کہتے پھر بھی یہی ہیں کہ آقا اپنے غلام پر غالب ہے۔

3: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ (سورۃ الملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ) کا جو آسمانوں میں ہے، خوف نہیں رہا۔

جواب نمبر1: مَنْ فِي السَّمَاءِ سے مَنْ عَظُمَ شَانُهٗ مراد ہے۔یعنی بلند وبالا عظمت والے اللہ سے ڈرو

جواب نمبر2: اگر اس کا حقیقی معنیٰ ہی مراد لیں تو پھر بھی یہ غیر مقلدین کے موقف فوق علی العرش کے خلاف ہے۔

4: تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (سورۃ المعارج:4)

جواب: محل امر مراد ہے کہ وہاں سے فرشتے امر لاتے ہیں۔

5: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورۃ النساء:158)

ترجمہ: بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

جواب: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبیؒ نے اس آیت کی بہترین تفسیر اور مطلب بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"اَيْ اِلَى السَّمَاءِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى مُتَعَالٍ عَنِ الْمَكَانِ۔" (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج2 ص12)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ فرقہ مُشبِّہ (جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس آیت سے جہت ثابت کرتے ہیں) کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اَلْمُرَادُ الرَّفْعُ اِلٰى مَوْضِعٍ لَا يَجْرِيْ فِيْهِ حُكْمُ غَيْرِ اللّٰهِ۔" (تفسیر الفخر الرازی ج11 ص102 تحت قولہ تعالیٰ: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ)

ترجمہ: "رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" سے مراد ایسے مقام کی طرف اٹھانا ہے جہاں غیر اللہ کا حکم نہیں چلتا۔

فائدہ: دنیا میں حقیقی اختیار ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔اگر ظاہری اختیار بندے کا ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے جیسے زکریا علیہ السلام کا مریم علیہا السلام کا کھانا دینا لیکن جو اللہ کی طرف سے ملے جس میں بندے کو اختیار نہیں تھا اس کو ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ فرمایا۔دین میں کمی بیشی کا اختیار چونکہ بندے کے پاس نہیں، اس لیے فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾۔شہید کو جو بعد الموت رزق ملتا ہے اس میں بھی بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا اس لئے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ فرمایا۔عرف میں اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے دوسرے شہر چلا جائے تو نسبت اس کی طرف ہوتی ہے، مثلاً فلاں بندہ لاہور یا کراچی چلا گیا، لیکن اگر کوئی بندہ دنیا کو چھوڑ کر قبر میں چلا جائے تو نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا گیا ہے کیونکہ موت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور لاہور جانے میں ظاہری اختیار بندے کا ہے۔

احادیث مبارکہ:

1: حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ فرماتے ہیں:

كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِّيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَاِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ عَنْ غَنَمِهَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ آدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَاْسَفُوْنَ لٰكِنِّيْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و سلم فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ۔قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اُعْتِقُهَا؟ قَالَ: ائْتِنِيْ بِهَا۔فَاَتَيْتُهٗ بِهَا فَقَالَ لَهَا: اَيْنَ اللّٰهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ۔قَالَ مَنْ اَنَا؟ قَالَتْ: اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔قَالَ: اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ۔

(صحیح مسلم ج1 ص203،204 باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ: میری ایک باندی تھی، جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔ آخر میں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے۔ میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرا یہ فعل بہت بڑا قرار دیا۔ میں نے کہا یارسول اللہ! کیا میں اس باندی کو آزاد نہ کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں آپ ﷺ کے پاس لے کر گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کردے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

جواب نمبر 1: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ متناً مضطرب ہے۔

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) لکھتے ہیں:

"وقد ذکرتُ فی کتاب الظهار من السنن مخالفةً من خالف معاوية بن الحكم فی لفظ الحديث"

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص164)

ترجمہ: میں نے اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" میں ان روات کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کے الفاظ کے بیان کردہ الفاظ کے بجائے اور الفاظ ذکر کیے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "السنن الکبریٰ" میں تفصیل نے ان روایات کا ذکر کیا ہے جن میں قبولِ اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں "فی السماء" کے بجائے دیگر الفاظ کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً

1: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَنْ رَبُّكِ؟. قَالَتِ: اَللهُ رَبِّي. (عن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

2: فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَتَشْهَدِينَ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ؟. قَالَتْ نَعَمْ (عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود)

3: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: ادْعُ بِهَا. فَقَالَ: «مَنْ رَبُّكِ؟. قَالَتِ اللهُ (شرید بن سوید الثقفی رضی اللہ عنہ)

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص387 تا389 کتاب الظہار)

حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) لکھتے ہیں:

"وفی اللفظ مخالفة كثيرة."

(تلخیص الحبیر لابن حجر: ج3 ص223 کتاب الکفارات)

ترجمہ: اس روایت کے الفاظ میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

اور متن میں اضطراب وجہ ضعف ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) لکھتے ہیں:

"والاضطراب يوجب ضعف الحديث لاشعاره بعدم الضبط ويقع فی الاسناد تارة وفی المتن اخریٰ"

(تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص133)

ترجمہ: اضطراب کی وجہ سے حدیث میں ضعف پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ راوی نے الفاظِ حدیث کو صحیح طریقے سے ضبط نہیں کیا۔ اضطراب کبھی سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں ہوتا ہے۔

اضطراب کی تفصیل کچھ یوں ہے:

حدیث کے متون مختلف کتب میں مختلف الفاظ سے موجود ہیں ایک تو صحیح مسلم کا جو اوپر مذکور ہے اس کے علاوہ درج ذیل ہیں:

1: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَقَالَ لَهَا أَيْنَ اللَّهُ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ بِإِصْبَعِهَا فَقَالَ لَهَا فَمَنْ أَنَا فَأَشَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِلَى السَّمَاءِ يَعْنِي أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ

أَعۡتِقۡهَا فَإِنَّهَا مُؤۡمِنَةٌ

(سنن ابی داود باب فِي الرَّقَبَةِ الْمُؤْمِنَةِ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی سیاہ رنگ کی باندی کو لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مومن کو آزاد کرنا ہے {تو کیا میں اس باندی کو آزاد کردوں ؟} آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے ؟اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا میں کون ہوں اس نے آپ کی طرف اشارہ کیا مطلب تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس پہ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ مومنہ ہے اس کو آزاد کردو۔

2:عن الشَّرِيدِ بنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ قال أتيتُ رسولَ الله فقلتُ إنّ أُمِّي أَوْصَتْ أنْ تُعْتَقَ عنها رَقَبَةٌ وإنّ عندي جاريةً نُوبِيّةً أفَيُجْزِئُ عنِّي أنْ أُعْتِقَهَا عنها قال ائْتِنِي بها فأتيتُه بها فقال لها النبيّ مَنْ رَبُّكِ قالتِ الله قال مَنْ أنا قالتْ أنتَ رسولُ الله قال فأَعْتِقْهَا فإنها مُؤْمِنَةٌ.

(سنن نسائی کتاب الوصایا / باب فضل الصَّدَقَةِ عن الميّت)

ترجمہ: حضرت شرید بن سوید فرماتے ہیں میں لیکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے ایک باندی آزاد کرنا میرے پاس ایک سیاہ رنگ کی باندی ہے کیا میرے لئے جائز ہے کہ اس کو والدہ کی طرف سے آزاد کردوں ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس باندی کو میرے پاس لے آو میں لیکر خدمت میں حاضر ہوا آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا تیرا رب کون ہے ؟ اس نے کہا اللہ۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا میں کون ہوں ؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں اس پہ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ مومنہ ہے اس کو آزاد کردو۔

3: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ أَنَّهُ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ جَارِيَةً لِي كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا لِي فَجِئْتُهَا وَقَدْ فُقِدَتْ شَاةٌ مِنَ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذِّئْبُ فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا وَ كُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ أَفَأُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ اللَّهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْهَا

(موطا مالک بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ)

ترجمہ: حضرت عمر بن حکم فرماتے ہیں میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو بکریاں چراتی ہے میں اس کے پاس گیا تو ایک بکری گم ہو چکی تھی میں اس باندی سے بکری کے بارے پوچھا تو اس نے کہا اس کو بھیڑیا کھا گیا، انسان ہونے کی وجہ سے مجھے اس پہ غصہ آیا اور میں نے اس کے چہرے پہ تھپڑ مار دیا۔ اور میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا بھی ہے تو کیا میں اس باندی کو آزاد کردوں؟ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے ؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں ؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کردے۔

4: عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَارِيَةٍ لَهُ سَوْدَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَإِنْ كُنْتَ تَرَاهَا مُؤْمِنَةً أُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدِينَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتُوقِنِينَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْهَا

(موطا مالک بَاب مَا يَجُوزُ مِنَ الْعِتْقِ فِي الرِّقَابِ الْوَاجِبَةِ)

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص اپنی سیاہ رنگ کی باندی کو لیکر حضور علیہ السلام کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرے ذمہ ایک مومن کو آزاد کرنا ہے اگر آپ اس باندی کو مومن سمجھتے ہیں تو میں اس کو آزاد کرتا ہوں آپ علیہ السلام نے باندی سے پوچھا کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ؟اس نے کہا جی بالکل۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کیا تو قیامت پہ یقین رکھتی ہے؟ اس نے کہا جی رکھتی ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا اس کو آزاد کر دو۔

وجوہ اضطراب:

ان متون کو دیکھا جائے تو کئی قسم کا اضطراب پایا جاتا ہے مثلاً

(1) باندی کس کی تھی؟ مالک کا نام کیا ہے؟

اس بارے روایات میں نام مختلف ہیں چنانچہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق باندی حضرت معاویہ بن حکم السلمی کی تھی۔

ابو داؤد میں رجلا ً ہے نام کا ذکر نہیں۔

نسائی کی روایت میں شرید بن سوید ہے۔

جبکہ مؤطا کی ایک روایت میں مالک کا نام عمر بن حکم اور دوسری میں رجلاً من الانصار کے الفاظ ہیں۔

(2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے سوال کیا کیا؟

صحیح مسلم اور ابو داؤد اور موطا کی ایک روایت میں سوال این اللہ اور من انا کے الفاظ سے ہے۔

سنن نسائی میں سوال من ربک اور من انا کے الفاظ سے ہے۔

اور مؤطا کی دوسری حدیث میں اتشھدین ان لاالہ الا اللہ ہے نیز مؤطا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید ورسالت کے ساتھ قیامت کے متعلق بھی پوچھا باقی روایات میں قیامت کا تذکرہ نہیں۔

(3) باندی نے جواب کیا دیا؟

صحیح مسلم اور موطا کی ایک روایت میں این اللہ کا جواب فی السماء سے اور من انا کا جواب رسول اللہ سے دیا۔

ابو داؤد میں اشارت الی السماء اور اشارت الی النبی کے الفاظ ہیں۔

نسائی میں جواب لفظ اللہ اور انت رسول اللہ سے دیا۔

جبکہ مؤطا کی دوسری روایت میں جواب نعم کے لفظ سے ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ یہ حدیث متن کے اعتبار سے مضطرب ہے اور اضطراب کی وجہ سے حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی۔

جواب نمبر2: اگر اس حدیث کو سنداً ومتناً صحیح و قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث خود غیر مقلدین کے خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ توفوق العرش ہونے کا ہے اور اس سے تو اللہ تعالیٰ کا "فِي السَّمَآءِ" ہونا لازم آتا ہے۔

جواب نمبر3: ہر آدمی بقدر عقل مکلف ہوتا ہے۔ باندی کا جواب واقع کے مطابق درست نہ تھا لیکن اس میں عقل ہی اتنی تھی کہ جواب اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے اس کا ایماندار ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ لہٰذا اس سے اللہ کے محض "فِي السَّمَآءِ" ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ فَأَمَرَ

اللّٰهُ الْأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ

(صحیح البخاری ج1 ص495 باب بلا ترجمۃ، بعد باب حدیث الغار)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تھا جو بہت گناہگار تھا جب اسے موت آنے لگی تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاوں تو مجھے جلا دینا پھر میری ہڈیوں کو پیس لینا اور مجھے ہوا میں اڑا دینا قسم بخدا اگر میں اپنے رب کی پکڑ میں آگیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی کو بھی نہیں دیا ہو گا چنانچہ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا، اللہ رب العزت نے زمین کو حکم دیا کہ اس بندے کے ذرات جہاں کہیں بھی ہیں ان کو جمع کر دے زمین نے اس کے ذرات جمع کر دیے تو وہ زندہ کھڑا ہو گیا اللہ تعالی نے فرمایا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ ایسی وصیت کیوں کی؟ تو وہ کہنے لگا اے میرے رب میں نے تیرے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا تھا چنانچہ اللہ تعالی نے اس بخش دیا۔

اس روایت میں مذکور شخص کا خوفِ خدا کی وجہ سے ایسی خلاف شریعت وصیت کرنا اور پھر اس کے گھر والوں کا اس پر عمل کرنا' واقع میں اسے اللہ کے سامنے حاضری سے نہ بچا سکا' لیکن چونکہ اس میں عقل ہی اتنی تھی لہٰذا اس کا یہ عمل وعذر اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے قبول کر کے اسے بخش دیا گیا۔ یہاں بھی ایسی خلاف شریعت وصیت کرنے' اس پر عمل اور بوجہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

2: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"يَنْزِلُ اللّٰهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حَتّٰى يَمْضِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ."

(صحیح مسلم ج1 ص258 باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل الخ)

ترجمہ: ہر رات اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔

جواب نمبر 1: نزول سے مراد نزولِ رحمت ہے۔ اگر نزول رحمت کی بجائے حقیقتاً نزول مراد لیں تو اللہ کا جسم ماننا لازم آئے گا اور اللہ جسم سے پاک ہے۔

جواب نمبر 2: اگر اس کا حقیقی معنی مراد ہو تو یہ تمہارے عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ جب آسمان پر ہوں گے تو فوق العرش نہیں ہوں گے۔

عقلی دلائل:

۱: اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر بلایا۔

جواب: ہم کلام ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلانا اگر عرش پر ہونے کی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلانا اللہ تعالیٰ کے کوہِ طور پر ہونے کی دلیل ہے اور ہر نمازی کا مسجد میں جا کر اللہ سے بات کرنا ہر مسجد میں ہونے کی دلیل ہے۔ کلامِ الٰہی تجلیٔ الٰہی کا نام ہے' چاہے اس کے ظہور کے لئے انتخاب عرش کا ہو یا کوہ طور کا ہو یا منصور حلاجؒ کی زبان کا ہو۔

۲: بوقت دعا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھائے جاتے ہیں جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہیں لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہے' لیکن بندے کے قلبی استحضار کے لئے بعض اعمال کے لئے بعض جہات کا تعین فرما دیتے ہیں۔ جیسے نماز کے لئے جہتِ کعبہ کو قبلہ قرار دیا، دعا کے لئے جہتِ فوق کو قبلہ قرار دیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کے قربِ الٰہی کے حصول کے لئے جہتِ ارض کو قبلہ قرار دیا اور قرآن مجید میں حکم دیا: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ) [سورۃ العلق: آیت 19]

۳: اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے لئے عموماً اوپر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب نمبر1: اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہ سے اگرچہ پاک ہیں، لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (سورۃ النساء:126) [اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے] اور جہاتِ ستہ میں سے جہتِ علو کو باقی جہات پر عقلاً فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے علوِ مرتبہ اور تعظیم کا خیال کرتے ہوئے اشارہ اوپر کیا جاتا ہے۔ جیسے استاذ کی آواز دورانِ سبق تمام جہات کی طرف منتقل ہوتی ہے لیکن استاد کے سامنے بیٹھ کر آواز کو سننا ادب ہے اور پیچھے بیٹھ کر سننا بے ادبی ہے۔

جواب نمبر2: اللہ تعالیٰ کی توجہ محل امر کی طرف ہے اور محل امر چونکہ اوپر کی طرف ہے اس لیے اشارہ بھی اوپر ہے۔

فائدہ:

یہاں چند ایک عبارات نقل کرنا ضروری ہیں جن کی بنیاد پر یہ سمجھا گیا ہے کہ "معیت" سے مراد "معیت ذاتیہ" ہے۔

(1): علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیرازی البیضاوی (ت 685ھ) آیت ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تَجُوْزُ بِقُرْبِ الذَّاتِ لِقُرْبِ الْعِلْمِ لِأَنَّهٗ مُوْجِبُهٗ.

(تفسیر البیضاوی: ج2 ص422)

ترجمہ: اس مقام پر قرب علمی کی وجہ سے قرب ذاتی مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ قرب علمی کو قرب ذاتی لازم ہے۔

(2): علامہ علی بن احمد بن ابراہیم المہایمی الہندی (ت 835ھ) آیت ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ﴾ لَا بِالْمَكَانِ وَلَا بِالزَّمَانِ وَلَا بِالرُّتْبَةِ بَلْ بِالذَّاتِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَاطٍ وَلَا حُلُوْلٍ وَلَا اتِّحَادٍ.

(تفسیر تبصیر الرحمٰن: ج2 ص293)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} اللہ کا یہ قرب مکان، زمان اور رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے ہے لیکن اختلاط، حلول اور اتحاد کے بغیر ہے۔

(3): حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (ت 1034ھ) فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق و حادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔"

(مکتوبات امام ربانی: ج2 ص225)

(4): علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی (ت 1224ھ) آیت ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ وَالْإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ.

(البحر المدید: ج7 ص309)

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

علامہ الفاسی مزید لکھتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ بِذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ عَلٰى مَا يَلِيْقُ بِجَلَالِ قُدْسِهٖ وَكَمَالِ كِبْرِيَائِهٖ؛ إِذِ الصِّفَةُ لَا تُفَارِقُ الْمَوْصُوْفَ فَإِذَا كَانَتِ الْمَعِيَّةُ بِالْعِلْمِ لَزِمَ أَنْ تَكُوْنَ بِالذَّاتِ، فَافْهَمْ، وَسَلِّمْ إِنْ لَمْ تَذُقْ.

(البحر المدید: ج7 ص311)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو اللہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ اس کی عظمتِ شان اور کمال کبریائی کے لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جب اللہ کی معیت علم کے ساتھ ہو تو ذات کے اعتبار سے معیت ضرور ہو گی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اگر ذوق (سلیم) نہ ہو تو (خدا کے) سپرد کر دیجیے!

علامہ فاسی آیت ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ أَيْ : أَنَا أَقْرَبُ إِلٰى كُلِّ أَحَدٍ مِنْ عُرُوْقِ قَلْبِهٖ ، وَهٰذَا لِأَنَّ قِيَامَ الْفِعْلِ بِالصِّفَاتِ ، وَالصِّفَاتُ لَا تُفَارِقُ الذَّاتَ، فَالْقُرْبُ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ، وَتَسْتَلْزِمُ الْقُرْبَ بِالذَّاتِ . (البحر المدید: ج7 ص177)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} یعنی میں (اللہ) ہر شخص کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل (یعنی قریب ہونے) کا قیام صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور صفات؛ ذات سے جدا نہیں ہوتیں۔ تو یہاں جو قرب ہے وہ علم اور قدرت (صفات) کے اعتبار سے ہے جو قرب ذاتی کو مستلزم ہے۔

(5): قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ت 1225ھ) آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَاللّٰهُ مَعَهُمْ بِالْوِلَايَةِ وَالْفَضْلِ وَالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَمَعِيَّةٌ ذَاتِيَّةٌ لَا كَيْفَ لَهَا .

(التفسیر المظہری ج5 ص392)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دوستی، فضل و کرم، مدد و نصرت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے اور یہ معیت ذاتی ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں۔

(6): قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1323ھ) فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ باوجود وراء الوراء کے قریب عبد کے ہے "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" ایسے تشاویش کی ضرورت نہیں اور "مَعَكُمْ" علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں "هُوَ" ضمیر ذات ہے جہاں علم وہاں ذات۔ پس تکلف کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ فوق، تحت سے بری ہے۔ فوق اور تحت اور ہر جا موجود ہے عروج روح و قلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ فوق العرش ہے۔ نہیں سب جگہ ہے قلب مومن کے اندر بھی ہے پس فوق کا خیال مت کرو۔"

(مکاتیب رشیدیہ ص42)

(7): حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) سے کسی نے معیت و قربِ خداوندی کے بارے میں سوال کیا، جس کا آپؒ نے جواب دیا۔ سوال و جواب کی عبارت من و عن نقل کی جاتی ہے۔

"مسئلہ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَقَالَ :وَهُوَ مَعَكُمْ الآية فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْقُرْبَ بِاعْتِبَارِ الذَّاتِ وَالْوَصْفِ وَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ اِنَّ الْقُرْبَ بِحَسْبِ الْوَصْفِ فَقَطْ. فَاَيُّ الْحِزْبَيْنِ عَلَى الصَّوَابِ وَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ عَلَى الْحَقِّ ؟ وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ قَرِيْبًا بِالذَّاتِ؛ هَلْ يَقْرُبُ مَعَ كَوْنِ اسْتِوَائِهٖ عَلَى الْعَرْشِ اَمْ لَا ؟ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ بِالْقُرْبِ الْوَصْفِيِّ يَدَّعُوْنَ بِالْقَائِلِيْنَ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِقَوْلِهِمْ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ. هَلْ يَجُوْزُ نِسْبَةُ الْكُفْرِ اِلٰى مَنْ قَالَ اِنَّ الْقُرْبَ ذَاتِيٌّ اَمْ لَا ؟

الجواب: لَمَّا كَانَ الْمُتَبَادَرُ عِنْدَ الْعَامَّةِ مِنَ الْمَعِيَّةِ الذَّاتِيَّةِ هِيَ الْمَعِيَّةُ الْجِسْمَانِيَّةُ اَبْطَلَهَا الْعُلَمَاءُ وَكَفَّرَ بَعْضُهُمُ الْقَائِلِيْنَ بِهَا، وَلَوْ اُرِيْدَ بِهَا الْمَعِيَّةُ غَيْرُ الْمُتَكَيِّفَةِ فَلَا مَحْذُوْرَ فِي الْقَوْلِ بِهَا، وَالْاِمْتِنَاعُ فِي اجْتِمَاعِهَا بِالْاِسْتِوَاءِ لِاَنَّ الذَّاتَ لَيْسَتْ بِمُتَنَاهِيَةٍ وَالْمَعِيَّةُ لَيْسَتْ بِمُتَكَيِّفَةٍ، وَمَنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اعْتِقَادِهَا بِلَا كَيْفِيَّةٍ فَالْاَسْلَمُ لَهٗ اَنْ يَّقُوْلَ بِالْمَعِيَّةِ الْوَصْفِيَّةِ (ای العلمیۃ) فَقَطْ ، وَبِهٰذَا التَّقْرِيْرِ خَرَجَ الْجَوَابُ مِنْ كُلِّ سُوَالٍ وَارْتَفَعَ كُلُّ اِشْكَالٍ . وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ عَنْ كُلِّ مَكَانٍ وَخَيَالٍ "

(بوادر النوادر از حضرت تھانویؒ ص50، 51)

ترجمہ: مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ بعض

لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرب فقط وصف کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے کس کا موقف درست ہے اور کون حق پر ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو کیا عرش پر مستوی ہوتے ہوئے قریب ہو گا یا نہیں؟ پھر جو لوگ قربِ وصفی کے قائل ہیں وہ قرب ذاتی کے قائلین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ قربِ ذاتی کے قول کی وجہ سے کافر ہیں۔ تو جس شخص نے کہا کہ قرب ذاتی ہے' کیا اس شخص کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ "معیت ذاتیہ" کہنے سے عوام کا ذہن فوراً "معیتِ جسمانیہ" کی طرف جاتا ہے اس لیے علماء نے ایسا کہنے سے روک دیا اور بعض علماء نے معیتِ ذاتیہ کے قائلین کو کافر تک کہہ دیا اور اگر معیت ذاتیہ سے مراد "معیت بلا کیف" لی جائے تو اس نظریہ کا قائل ہونے میں کوئی حرج نہیں' اور معیتِ غیر متکیفہ کو استواء (علی العرش) کے ساتھ جمع کرنا ممتنع بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ متناہی نہیں اور معیت متکیفہ نہیں، اور جو شخص معیت بلا کیفیت کے اعتقاد پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ معیتِ وصفیہ یعنی علمیہ کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے سارے سوال ختم ہو گئے اور سارے اشکالات حل ہو گئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بڑا ہے اور ہر مکان اور خیال سے پاک ہیں۔

تفسیر بیان القرآن میں ﴿وَاللّٰهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ [سورۃ البقرۃ:19] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس میں دلیل ہے قولِ صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔"

(تفسیر بیان القرآن: ج1 ص22)

(8): حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (ت 1417ھ) ایک سوال کہ "باری تعالیٰ کہاں ہیں؟" کے جواب میں فرماتے ہیں:

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر و کبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوصِ صریحہ اور دلائل قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے: قال تعالیٰ: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیونکہ وہ مکانی نہیں بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان و زمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج1 ص245)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"خدا ہر جگہ موجود ہے۔"

(ملفوظات فقیہ الامت: ج2 ص14)

(9): عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ (ت 1434ھ) فرماتے ہیں:

"بس ایک بات عرض کرتا ہوں، بعض لوگ مخلوق کے سامنے گناہ سے بچتے ہیں، دو چار دوست بیٹھے ہوں ہاں ان کے سامنے گناہ نہیں کرتے کیونکہ مخلوق کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے یا مخلوق ان سے انتقام لے سکتی ہے، لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس خلوت اور تنہائی میں انسان گناہ کرتا ہے اس وقت خدا اس کے ساتھ ہے یا نہیں؟ تو مخلوق زیادہ طاقتور یا خالق زیادہ طاقتور ہے؟ بڑی طاقت کے سامنے تو گناہ کرتے خوف نہ لگا اور کمزور مخلوق کے ڈر سے گناہ چھوڑ رہا ہے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ جہاں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اتنی عظیم الشان والا ہمارے، آپ کے حجروں اور کمروں میں ساتھ ہے، کوٹھڑیوں میں ساتھ ہے، لیکن انسان کی فطرت دیکھیے کہ چند انسان اس کو دیکھ رہے ہوں تو وہاں گناہ سے بچتا ہے اور پھر گناہ کے لیے تنہائی تلاش کرتا ہے، راستے بند کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے لیکن وہ ذات پاک جو مخلوق سے بے شمار گنا عظیم الشان اور عظیم القدرۃ ہے وہ وہیں ساتھ میں ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ.

(اہل اللہ اور صراط مستقیم، سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر 21، ص12، 11)

(10): حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کے ساتھ معیت ذاتی و علمی ماننے میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ معیت علمی سے خود معیت ذاتی متحقق ہو جاتی ہے۔"

(فتاویٰ حقانیہ: ج2 ص270)

(11): مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ (دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"معیت علمی اور معیت ذاتی کما یلیق بشانہ تعالیٰ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔"

(فتاویٰ فریدیہ: ج1 ص392)

(12): امام اھل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(تفسیر ذخیرۃ الجنان: ج4 ص239)

(13): مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔"

(معالم العرفان فی دروس القرآن: ج3 ص200)

(14): حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: شیخوپورہ میں ختم نبوت کا جلسہ تھا۔ تو ایک شخص نے مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ سے دوران تقریر پوچھا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر اور ناظر ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا: اگر یہاں شیخوپورہ میں ایک پلاٹ ہو تو آپ اس میں آپ علیہ السلام کا گھر بنالو، حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بنالو! اس نے کہا: وہ یہاں کیسے بنا سکتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: پھر یہاں مسجد بنالو، مسجد بنا سکتے ہو؟ اس نے کہا: جی بنا سکتے ہیں۔ فرمایا: بس یہی فرق ہے، اللہ تعالیٰ چونکہ ہر جگہ ہے تو ان کا گھر بھی ہر جگہ بن سکتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہیں تو آپ کا گھر بھی ہر جگہ نہیں بن سکتا۔

(15): مفتی محمد رفیع عثمانی حفظہ اللہ رئیس دارلعلوم کراچی نے فرمایا:

"اللہ رب العزت کی ذات تو ایسی عظیم ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ کسی خاص مقام تک محدود نہیں ہے، کعبہ بیت اللہ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر موجود ہے اس کے سوا کہیں اور موجود نہیں، ایسا نہیں بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾

تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی تم جہاں بھی ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس وقت بھی ساتھ ہے، تمہارے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی۔ اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (سورۃ ق، آیت نمبر ۱۶)

اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

انسان کی شہ رگ کتنی قریب ہوتی ہے، جسم کا حصہ ہے لیکن فرمایا کہ ہم ہر انسان کے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس تو لا محدود ہے وہ کسی خاص مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے، کسی خاص مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ چنانچہ عرش پر بھی ہے، آپ

کے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی، ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر جگہ ہے۔ مدینہ میں بھی ہے اور مکہ میں بھی۔ ہر آسمان پر ہے، عرش پر بھی ہے اور کرسی پر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے تو اس لحاظ سے ہر جگہ ہی افضل ہے۔"

(ماہنامہ البلاغ: ربیع الاول ۱۴۳۴ھ / فروری ۲۰۱۳ء ص 21 خطاب حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی)

(16): شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم سورۃ البقرۃ آیت نمبر 115 کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔" (آسان ترجمہ: ج 1 ص 90)

(17): جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی سے جاری ہونے والا فتویٰ ملاحظہ ہو:

"**س:** عقائد کی اصلاح اور تعلیم کے لیے رہنمائی فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، کسی خاص مکان یا جگہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔"

نوٹ: یہ فتویٰ ان کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔